بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ستمبر کے مہینہ میں، آج سے ۱۵ سال قبل، سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس دنیا سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف انتقال فرمایا۔ زندگی بھر اپنے قول و عمل سے وہ ترجمانِ قرآن رہے، اور ایک عرصہ تک "ترجمان القرآن" کے ساتھ یک جان بھی۔ اس موقع کی مناسبت سے ہم نے "اشارات" کے تحت ان کے، آغاز سے لے کر دارالاسلام پٹھانکوٹ کی طرف ہجرت تک کے اشارات کے اقتباسات کو جمع کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان "اشارات" کے ذریعہ قارئین کے سامنے نہ صرف سیّد مودودیؒ کی سیرت کے وہ گوشے نمایاں ہو جائیں گے جن سے وہ عموماً ناواقف ہیں، بلکہ دورِ حاضر کے لیے بھی بیش بہا رہنمائی فراہم ہو گی۔ (خرّم مراد)

"ترجمان القرآن" کو میری ادارت میں شائع ہوتے ہوئے ایک سال ہو چکا ہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنی کتاب کی خدمت کے لیے جو توفیق مجھ کو عطا فرمائی، اور سخت ہمت شکن حالات میں خدمت کے لیے کمربستہ رہنے کی جو استقامت بخشی، اس کے لیے شکر بجا لانا میرا فرض ہے۔ اگرچہ میرا شکر اس کے فضل و انعام کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ میں نے جن حالات میں اس رسالے کی ادارت سنبھالی تھی، اور بعد میں مسلسل کئی مہینے تک جو مشکلات مجھے پیش آتی رہیں ان سے یقیناً میرے حوصلے پست ہو جاتے، اگر میرا اعتماد خدا کے بجائے دنیوی اسباب اور خود اپنی قوت پر ہوتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرا بھروسہ دنیا اور اسباب پر نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ خدا تعالیٰ پر رہا ہے، اور خدا کا یہ سچا وعدہ ہے کہ جو اس پر بھروسہ کر کے اس کی راہ میں صبر و استقامت کے ساتھ سعی کرے گا، اس کو آخرکار کامیابی نصیب ہو گی، اور خوف و حزن اس کے پاس نہ پھٹک سکے گا۔

آج کل مسلمانوں کی دماغی روحیں جس طرف جا رہی ہیں، اس کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا

ہوں کہ اس وقت اصطلاحی علوم اور خالص علمی تحقیقات کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی اس امر کی ضرورت ہے کہ' مسلمانوں کی نئی نسلیں' جو دینی تعلیم سے بے بہرہ' جدید تعلیم میں ناپختہ' مدرسوں اور کالجوں سے صرف یہ سبق لے کر نکلی ہیں کہ روشن خیالی صرف مذہب میں شک کرنے کا ہی نام ہے' انھیں تعلیمِ قرآنی کے اصل مقصود سے روشناس کرایا جائے' اسلام کے صحیح اصول سمجھائے جائیں' اور ٹھیک انھی قوانینِ عقلی کے مطابق جو بیسویں صدی کے دماغوں کو اپیل کر سکتے ہیں' اسلام اور اس کے عقائد و احکام کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ معانی و بیان کی بحثوں' قصص قرآنی کی تاریخ اور جغرافیائی تحقیقات' آیاتِ متشابہات کے معانی کے تعین کے لیے فرصت کے اور بھی بہت سے سامان مل سکتے ہیں۔ یہاں تو خدا کی خدائی' رسول کی رسالت' کتاب کی تنزیل ہی میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔ دینِ اسلام جن ارکان پر قائم ہے وہی معرضِ بحث میں ہیں۔ ایسی حالت میں زیادہ تر ضرورت نفسِ اسلام کے تحفظ کی ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے "ترجمان القرآن" کا بیشتر حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔ (محرم الحرام ۱۳۵۳' ص ۲ - ۷ - ۸ / مارچ ۱۹۳۴)

جو لوگ زہر سے متاثر ہیں' ان کو خود اپنے زہر خوردہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہے' وہ دوا کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے' بلکہ دوا کے نام سے بھاگتے ہیں۔ ان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے ذاتی شوق سے اس قسم کا کوئی رسالہ خریدیں گے۔ اوّل اوّل ان کو کہیں غیر معمولی تشویش کے ذریعے سے اس بات پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کم از کم جانبِ مخالف کا مقدمہ بھی سن لیں' پھر فیصلہ کا انھیں اختیار ہے' جو چاہیں کریں۔

اس رسالے کی ادارت ہاتھ میں لینے سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ مسلمان علمِ قرآن کے پیاسے ہیں' قرآن کی دعوت سننے کے لیے ان میں ایک پوشیدہ تڑپ موجود ہے' کمی جو کچھ بھی ہے صرف اس بات کی ہے کہ اس جنس کے پیشِ نظر کرنے والے کمیاب ہیں۔ لیکن گذشتہ ایک سال کے تجربے نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے قرآن کے نام میں اتنی کشش بھی نہیں ہے جتنی فلم اشاروں کی تصویروں میں ہے۔ کسی کتاب یا رسالے پر قرآن کا نام آجانا ہی اس کے لیے کافی ہے کہ مسلمان اس سے بھاگیں اور شجرِ ممنوع سمجھ کر اس کو ہاتھ نہ لگائیں۔

افسوس ! یہ کیسی مصیبت ہے کہ بیماروں میں اب یہ احساس بھی نہ رہا کہ وہ بیمار ہیں' زخمیوں

کی بے خبری اس حد کو پہنچ گئی کہ انھیں اپنے زخموں کی بھی خبر نہ رہی' عقل کا فقدان یہاں تک بڑھا کہ دوا سے بھاگتے اور زہر کی طرف لپکتے ہیں' مرہم کو چھوڑ کر نمک اپنے زخموں پر چھڑکتے ہیں' اور امیدوار ہیں کہ اس سے ان کو شفا ہو گی۔

اس شخص کی روحانی اذیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جو تفریح کے لیے نہیں' لوگوں کی اصلاح و تعمیر کے لیے اپنا خونِ جگر کھپا کر اپنے دل و دماغ کی ساری قوتیں خرچ کر کے لکھتا ہے' اور پھر اسے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت جن کے فائدے کے لیے اس نے لکھا تھا انھوں نے ہی اس کی طرف توجہ نہ کی' اسے پڑھنے تک کی تکلیف گوارا نہ کی۔

اگر آپ ظلمات کا سفر کر کے بڑی محنتوں اور تکلیفوں کے بعد کسی کو آبِ حیات کا ایک جام لا کر دیں' اور وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے اس کو پھینک کر زہر کا پیالہ اٹھا لے تو غور کیجیے آپ کو کس قدر سخت صدمہ ہو گا۔ بس اسی پر اس صدمہ کو قیاس کر لیجیے' جو ان صفحات کے لکھنے والے کو برداشت کرنا پڑتے ہیں' مگر میں اپنی قوم سے شکایت نہ کروں گا۔ . . وہی مقلب القلوب ہے۔ اسی سے امید ہے کہ مسلمانوں کے دل پھیر لے گا' اور جب ان کے دل پھریں گے تو انشاء اللہ دن بھی پھریں گے۔ (محرم الحرام ۱۳۵۳' ص ۸ تا ۱۰ / مارچ ۱۹۳۴)

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم اب بھی اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے' اور مسلمان رہنا چاہتا ہے۔ لیکن دماغ مغربی افکار اور مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں' اور یہ انحراف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ . . دیکھنے والوں کے لیے مسلمان کی نظر سے دیکھنا اور سوچنے والوں کے لیے اسلامی طریق پر سوچنا مشکل ہو گیا ہے۔ . . اسلام میں ایک نشاۃِ جدید کی ضرورت ہے۔ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ دنیا اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ . . علم و عمل کے میدان میں رہنمائی وہی کر سکتا ہے' جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے نہ کہ پیچھے کی جانب۔ لہٰذا اب اگر اسلام دوبارہ دنیا کا رہنما بن سکتا ہے' تو اس کی بس یہی ایک صورت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے محقق اور مفکر پیدا ہوں جو فکر و نظر اور تحقیق و اکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھا دیں جن پر مغربی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی ہے۔ ملحدانہ نظریہ کو توڑ کر الٰہی نظریہ پر فکر و تحقیق کی اساس قائم کریں' اور اس جدید فکر و تحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے' اور اس میں مغرب کی مادی تہذیب کے بجائے اسلام کی حقانی تہذیب جلوہ گر ہو۔ (جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳' ص ۳۹۰۔

۳۹۱ / اکتوبر ۱۹۳۴)

ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے دونوں مہینے مجھ پر سخت جسمانی تکلیفوں کے ساتھ گزرے۔ ربیع الاوّل کا پرچہ طبیعت پر جبر کر کے حسبِ دستور مرتب کیا، مگر بیماری کی محنت نے دل و دماغ پر ایسا برا اثر کیا کہ ربیع الثانی کے پرچے میں اشارات اور نقد و نظر کے سوا اور کچھ نہ لکھ سکا۔ جو مضامین مسلسل شائع ہو رہے تھے، ان کا سلسلہ مجبوراً توڑنا پڑا . . . میں جانتا ہوں کہ اس سے "ترجمان القرآن" کے ناظرین کو تکلیف ہوئی ہو گی، مگر مجھے امید ہے کہ میری مجبوریوں کی طرف نظر کرتے ہوئے وہ مجھے معاف کر دیں گے۔ میں امکانی حد تک کوشش کرتا ہوں کہ رسالے کو بہتر سے بہتر مرتب کروں اور مفید مضامین فراہم کروں!

افسوس ہے کہ چند مخلص احباب کے سوا کوئی میری مدد کرنے والا نہیں ہے، ہندوستان کے اہلِ علم جو اعلٰے معیار کے مضمون لکھ سکتے ہیں، کوئی توجہ نہیں فرماتے، اور دستِ سوال دراز کرنے کی مجھے عادت نہیں، ناچار خود ہی جو کچھ بن پڑتا ہے کرتا ہوں اور جب تک دل و دماغ کی قوتیں ساتھ دیں گی، کیے جاؤں گا۔

جس خدا نے مجھ جیسے ایک عاجز اور حقیر بندے کو اس خدمت پر لگایا ہے، اسی سے امید ہے کہ یا تو مجھے تنہا خدمت بجا لانے کی قوت عطا کرے گا، یا میرے لیے چند مددگار پیدا کر دے گا۔ (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۹۸ / ستمبر ۱۹۳۴ء)

مسلمان قوم کی حالت اس زمانہ میں ایک بنجر زمین کی سی ہو رہی ہے، جس میں اشجارِ خبیثہ تو خوب بڑھتے اور پھیلتے ہیں، مگر اشجارِ طیبہ کو نشوونما نصیب نہیں ہوتا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بہت سے خیر و صلاح کے بیج تو زمین میں ہی خاک ہو گئے اور کسی کو تھوڑی بہت بالیدگی حاصل ہوئی بھی تو وہ جڑ نہ پکڑ سکا۔

میں اس حالت سے خود بھی واقف تھا، اور جب میں نے اس کام کو شروع کیا، تو ان لوگوں نے بھی جن کو میری ذاتی فلاح و بہبود سے دلچسپی تھی مجھے نصیحت کی تھی۔

زمین شورہ سنبل برنیار   درو تخم عمل ضائع مگردان!

لیکن میرے خیال میں مردِ مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ زمین کی خرابی، موسم کی ناموافقت، پانی کی کمیابی کو دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے۔ اس کے لیے تو ازل سے یہی قسمت کیا گیا ہے کہ بنجر

زمینوں میں ہل چلائے' ان کی شوریدگی کے خلاف جنگ کرے' اپنے پسینے بلکہ ہو سکے تو اپنے خون سے ان کو سیراب کرے' اور نتائج سے بے پروا ہو کر تخم ریزی کیے جائے۔ اگر زمین اس کی کوششوں سے سَیر حاصل ہو گئی' تب تو اس کی سرفرازیوں کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس ناکارہ زمین میں تمام عمر محنتِ بے حاصل کرتا رہے' اور آخر ایک روز اسی کام میں جان دے دے' تب بھی وہ حقیقت میں ناکام نہیں ہے۔ اس کے لیے یہی کامیابی کیا کم ہے کہ جس کام کو وہ فرض سمجھتا تھا اس پر اپنی زندگی کی آخری ساعت تک قائم رہا' اور کوئی ناکامی اس کو ادائے فرض سے باز نہ رکھ سکی۔ ایسی ناکامی پر وہ ہزاروں کامیابیاں قربان جو ایک بگڑے ہوئے زمانے کی روش پر چلنے اور اشجارِ خبیثہ کو پرورش کرنے اور ان کے زہریلے ثمرات بیچنے سے حاصل کی جاتی ہیں۔

ان حالات میں جس شخص کو کام کرنا ہو' اس کو تو بدرجۂ اولیٰ صرف خدا کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرنا چاہیے' کیوں کہ جس قوم کی بگڑی ہوئی ذہنیت کے خلاف وہ جہاد کر رہا ہے اس سے کسی مدد کی امید نہیں کی جا سکتی' اور اگر چند نیک دل افراد اس کو مل بھی گئے تو محض ان کی تائید کے اعتماد پر کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ ابتدا سے اس رسالے کی روش دیکھ رہے ہیں' انھوں نے خود ہی اندازہ کر لیا ہو گا کہ ادارہ ترجمان القرآن کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ ہمارے پیشِ نظر صرف ایک مقصد ہے' اور وہ مسلمانوں کو قرآن کی طرف دعوت دینا ہے۔ رسالہ کی اشاعت فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ محض اس دعوت کی اشاعت کے لیے ہے۔ ہر داعی و مبلغ کی طرح ہماری بھی یہ دلی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں تک ہمارا پیغام پہنچے۔ ہمیں خریداروں کی ضرورت نہیں' پڑھنے والوں کی ضرورت ہے۔ اگر ایک رسالہ کو ہزار ہزار آدمی بھی پڑھیں' تو رنج نہ ہو گا' بلکہ مسرت ہو گی۔ اگر ہمارے مضامین اخباروں اور رسالوں میں نقل کیے جائیں تو ہم ان کا شکریہ ادا کریں گے کہ انھوں نے اس دعوت میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ترجمان القرآن کا ہر خریدار صرف خریدار اور ناظر ہی نہ ہو' بلکہ داعی اور مبلغ بھی ہو۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں سے جس قلیل تعداد کو اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کا مطالعہ کرنے کی توفیق عطا کی ہے' اگر وہ مطمئن ہے کہ یہ رسالہ جس راستہ کی طرف بلا رہا ہے وہ سیدھا راستہ ہے' تو اس کو لازم ہے کہ اپنے عزیزوں' دوستوں اور عام برادرانِ دین کو بھی اس کی طرف دعوت دے۔

ادارۂ ترجمان القرآن اور اس کے ناظرین کے درمیان محض بائع اور مشتری کا سا تعلق نہ

ہونا چاہیے۔ ہم اپنے ناظرین میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اور وہ ایک ہی مشن کے خادم ہیں۔ وہ اشاعت کی ذمہ داری تنہا ہم پر نہ چھوڑیں' بلکہ خود بھی حتی الوسع اس میں حصہ لیں۔ دل چاہتا ہے کہ ہزاروں پرچے مفت تقسیم کیے جائیں' بلکہ سرے سے اس پرچے کی قیمت ہی لیتے ہوئے ہم کو کراہت محسوس ہوتی ہے' لیکن افسوس ہے کہ ہمارے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ ہم اس پرچے کے تمام مصارف پورے کر کے لوگوں کے چندوں سے بالکل بے نیاز ہو جائیں۔ (محرم الحرام ۱۳۵۴ھ' ص ۳ تا ۵ / مئی ۱۹۳۵ء)

جو غیر مسلم ہیں وہ تو سرے سے جانتے ہی نہیں کہ وہ چشمۂ آبِ حیواں کہاں ہے جو ان کی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اور جو مسلمان ہیں وہ اس کو جانتے ہیں' مگر اس کو پیتے نہیں! اس کے ساقی اصل منبع کو چھوڑ کر ندیوں اور نالوں پر معتکف ہو گئے۔ اس کے دہانے کو جہالت کے پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ اس کے بجائے گندے اور زہریلے پانی کی نہروں کا ایک جال روئے زمین پر پھیل گیا' جس کو بعض نادان اب تک آبِ حیات سمجھ رہے ہیں' اور بہت سے دانا اس مجبوری سے پیئے جا رہے ہیں کہ ان کو آبِ حیات کا پتا معلوم نہیں۔ ایسی حالت میں ایک دو نہیں' بہت سے ایسے منادیوں کی ضرورت ہے جو اطراف و اکنافِ عالم میں خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس چشمے کی طرف بلائیں' جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی سیرابی کے لیے چھوڑ گئے ہیں' اور صرف بلانے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ جو درماندگان اس راہ تک آنے کی قوت نہیں رکھتے' ان کے پاس خود اس کا پانی لے کر پہنچ جائیں۔

مشرق ہو یا مغرب' مسلمان ہوں یا غیر مسلم' بلا استثنا سب ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں' اور وہ یہ ہے کہ ان پر ایک ایسی تہذیب مسلط ہو گئی ہے' جس نے سراسر مادیت کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ اس کی حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی دونوں کی عمارت غلط بنیادوں پر اٹھا لی گئی ہے۔ اس کا فلسفہ' اس کا سائنس' اس کے اخلاق' اس کی معیشت' اس کی معاشرت' اس کی سیاست' اس کے قوانین' غرض اس کی ہر چیز ایک غلط نقطۂ آغاز سے چل کر ایک غلط رخ پر ترقی کرتی چلی گئی ہے' اور اب اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے' جہاں سے ہلاکت کی آخری منزل قریب نظر آ رہی ہے۔

یہ وقت ہے کہ مغربی قوتوں کے سامنے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پیش کیا جائے' اور انھیں بتایا جائے کہ یہ ہے وہ مطلوب جس کی طلب میں تمہاری روحیں بے قرار

ہیں' یہ ہے وہ امرت رس جس کے پیاسے ہو' یہ ہے وہ شجرِ طیب جس کی اصل بھی صالح ہے اور شاخیں بھی صالح' جس کے پھول خوشبودار بھی ہیں اور بے خار بھی' جس کے پھل میٹھے بھی ہیں اور جان بخش بھی' جس کی ہوا لطیف بھی ہے او روح پرور بھی۔ یہاں تم کو حکمت ملے گی۔ یہاں تم کو فکر و نظر کے لیے ایک صحیح نقطۂ آغاز ملے گا۔ یہاں تم کو وہ علم ملے گا جو نظری اور عملی دونوں قسم کے علوم کو ایک مستقیم و محکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ ایمان ملے گا جو انسانی سیرت کی بہترین تشکیل کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ روحانیت ملے گی جو راہبوں اور سنیاسیوں کے لیے نہیں بلکہ کارزارِ دنیا میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے سکونِ قلب اور جمعیتِ خاطر کا سرچشمہ ہے۔ یہاں تم کو اخلاق اور قانون کے بلند اور پائیدار قواعد ملیں گے' جو انسانی فطرت کے علم پر مبنی ہیں۔ یہاں تم کو تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ملیں گے جو طبقات کے جعلی امتیازات اور اقوام کی وضعی تفریقوں کو مٹا کر خالص بنیادوں پر انسانی جمعیت کی تنظیم کرتے ہیں۔

اگر تم ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو قبل اس کے کہ تمھاری تہذیب ایک ہولناک صدمہ سے پاش پاش ہو کر تاریخ کی برباد شدہ تہذیبوں میں ایک اور کا اضافہ کرے' تم کو چاہیے کہ اسلام کے خلاف ان تمام تعصبات کو جو تمھیں قرونِ وسطیٰ کے مذہبی دیوانوں سے وراثتاً ملے ہیں' اپنے دلوں سے نکال ڈالو' اور کھلے دل کے ساتھ قرآن اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سنو' سمجھو اور قبول کرو۔

مسلمان قوموں کا حال مغربی قوموں کے حال سے مختلف ہے۔ مرض اور ہے اور اسبابِ مرض بھی دوسرے ہیں۔ مگر علاج ان کا بھی وہی ہے جو اہلِ مغرب کا ہے۔ یعنی اس علم و ہدایت کی طرف رجوع' جس کو اللہ نے اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔

مسلمان صدیوں تک دنیا میں قلم اور تلوار کے ساتھ فرمانروائی کرتے کرتے آخر کار تھک گئے۔ ان کی روحِ جہاد سرد پڑ گئی' قوتِ اجتہاد شل ہو گئی۔ جس کتاب نے ان کو علم کی روشنی اور عمل کی طاقت بخشی تھی' اس کو انھوں نے محض ایک متبرک یادگار بنا کر غلافوں میں لپیٹ دیا۔ جس ہادیِ اعظم کی سنت نے ان کی تہذیب کو ایک مکمل فکری و عملی نظام میں متشکل کیا تھا' اس کی پیروی کو انھوں نے چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ترقی کی رفتار رک گئی۔ بہتا ہوا دریا یکایک جمود کی وادی میں ٹھہر کر تالاب بن گیا' امامت کے منصب سے مسلمان معزول ہوئے۔ جہاد اور اجتہاد کا جھنڈا جس کو مسلمانوں نے پھینک دیا تھا' مغربی قوموں نے اٹھا لیا اور مسلمان سوتے رہے۔ اور اہلِ مغرب اس جھنڈے کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے' یہاں تک

کہ امامت کا منصب ان کو مل گیا۔ آخر صدیوں کی نیند کے بعد جب مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل چکا ہے' دوسرے اس پر قابض ہو چکے ہیں' اب علم ہے تو ان کا ہے' تہذیب ہے تو ان کی ہے' قانون ہے تو ان کا ہے' حکومت ہے تو ان کی ہے! مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک شمع رہ گئی ہے' سو وہ بھی خموش ہے۔

ہم اس حالت کو دیکھ رہے ہیں' اور اس کا خوفناک انجام ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اگرچہ رہنمائی کے لیے جس علم و فضل اور جامعیت کی ضرورت ہے' وہ ہم کو حاصل نہیں۔ نہ اتنی قوت میسر ہے کہ ایسے بگڑے ہوئے حالات میں اتنی بڑی قوم کی اصلاح کر سکیں۔ لیکن اللہ نے دل میں ایک درد دیا ہے' اور وہی درد مجبور کرتا ہے کہ جو تھوڑا سا علم اور نورِ بصیرت اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے' اس سے کام لے کر مسلمانوں کو اسلامی تعلیم کے اصل منبع اور اسلامی تہذیب کی حقیقی اساس کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیں' اور کامیابی و ناکامی سے بے پرواہ ہو کر اپنی سی کوشش کر دیکھیں۔ کام کی بزرگی اور اپنی کمزوری کو دیکھ کر اپنی کوشش خود ہم کو ہیچ میرز معلوم ہوتی ہے' مگر کامیابی اور ناکامی جو کچھ بھی ہے اس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے' اور اپنی حدِ وضع تک ہم اپنی کوشش کے دائرے کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ (رجب ۱۳۵۴' ص ۷ تا ۱۴ / اکتوبر ۱۹۳۵)

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے جو انعامات ہوئے ہیں' ان کا شکر بجا لانا میرا پہلا فرض ہے۔ اوّل تو یہی احسان کیا کم ہے کہ ایک حقیر گناہگار بندے کو دینِ حق کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا گیا۔ حالانکہ اگر انتخاب کا معیار علم' تقویٰ' اخلاص اور کمالاتِ ظاہری و باطنی پر ہوتا تو شائد میں آخری شخص ہوتا جس کی طرف نگہِ انتخاب مائل ہوتی۔ پھر اس پر مزید احسان یہ ہے کہ میری تمام کوتاہیوں کی تلافی اپنے فضل و انعام سے کی گئی۔ بے علم تھا' نورِ علم عطا کیا گیا' ناواقفِ راہ تھا' راہِ راست کی طرف ہدایت بخشی گئی' کمزور اور پست ہمت تھا' صبرو ثبات اور استقامت کی توفیق دی گئی' بے سروسامان اور بے یارو مددگار تھا' خزانۂ غیب سے ہر ہر قدم پر سرو سامان بہم پہنچایا گیا۔ . . یہ تو وہ احسانات ہیں' جن کو میں جانتا ہوں اور ان کا بھی پورا پورا شکر ادا کرنا میری قدرت سے باہر ہے' رہے وہ بے شمار احسانات جن کی مجھ کو خبر تک نہیں تو ان کا شکر کیسے بجا لاؤں ؟

بجز اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں!

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو!

مگر حق تعالیٰ اپنے فضل و احسان میں جیسا فیاض ہے' یہ بندہ اس سے فضل و احسان کی طلب میں ویسا ہی حریص ہے۔ اس نے جو کچھ دیا ہے اس پر شکر ضرور ہے' مگر قناعت نہیں۔ خدا کے مقابلے میں قناعت کیسی ؟ وہ دینے سے نہیں تھکتا' تو بندہ مانگنے سے کیوں تھکے؟ اور اس سے نہ مانگے تو کس سے مانگے؟

میں علم کا پیاسا ہوں' اور اس پیاس کو بجھانے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔ میری عقل و فہم میں ہزاروں کوتاہیاں ہیں' اور ان کو دور کرنے والا اگر کوئی ہے تو وہی ہے۔ میرا دل بے چین ہے' میری روح مضطرب ہے' میرا دماغ سکون سے محروم ہے' خدا ہی ہے جو اس بیماری کا مداوا کر سکتا ہے۔ میں گناہوں میں گھرا ہوا ہوں' میرے عمل میں لاکھوں خامیاں ہیں' میری فطرت کی کمزوریاں قدم قدم پر مرضاتِ الٰہی کے اتباع سے مجھ کو روکتی ہیں' خدا کے سوا کوئی نہیں' جو میرے عیوب کی اصلاح کرے اور عملِ صالح کی توفیق بخشے ۔ میں اس خلوصِ نیت کا طلب گار ہوں' صحتِ فکر اور سدادِ نظر مانگتا ہوں' الحب فی اللہ اور البغض للہ کی توفیق چاہتا ہوں۔ میں اس سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے بندوں سے بے نیاز کر کے صرف اپنا نیاز مند بنائے' محبت اور خوف اور طمع سب سے توڑ کر صرف اپنے ساتھ جوڑ دے اور اتنی قوت و طاقت عطا فرمائے کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنے دل کے سب حوصلے نکال سکوں۔ (محرم الحرام ۱۳۵۵' ص ۲-۳ / اپریل ۱۹۳۶)

محض دولت ہرگز وہ چیز نہیں ہے جو کسی قوم کو معزز اور طاقت ور بناتی ہو۔ تمہارا ایک ایک شخص اگر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جائے مگر تم میں کریکٹر کی طاقت نہ ہو تو یقین رکھو کہ دنیا میں تمہاری کوئی عزت نہ ہو گی۔ بخلاف اس کے اگر تم میں درحقیقت اسلامی سیرت موجود ہو' تم صادق اور امین ہو' لالچ اور خوف سے پاک ہو' اپنے اصول میں سخت اور اپنے معاملات میں کھرے ہو' حق کو حق اور فرض کو فرض سمجھنے والے ہو' حرام و حلال کی تمیز کو ہر حال میں ملحوظ رکھنے والے ہو' اور تم میں اتنی اخلاقی قوت موجود ہو کہ کسی نقصان کا خوف اور کسی فائدے کی طمع تم کو راستی سے نہ ہٹا سکے' اور کسی قیمت پر تمہارا ایمان نہ خریدا جا سکے' تو دنیا میں تمہاری ساکھ قائم ہو جائے گی۔ دلوں میں تمہاری عزت بیٹھ جائے گی۔ تمہاری ایک بات کا وزن لکھ پتی کی ساری دولت سے زیادہ ہو گا۔ تم جھونپڑیوں میں رہ کر اور پیوند لگے کپڑے پہن کر بھی دولت

سراؤں میں رہنے والوں سے زیادہ احترام کی نظر سے دیکھے جاؤ گے' اور تمہاری قوم کو ایسی طاقت حاصل ہو گی' جس کو کبھی نیچا نہیں دکھایا جا سکتا۔ (صفر ۱۳۵۵ھ' ص ۱۰۸ / مئی ۱۹۳۶)

"ترجمان القرآن" دراصل میری زندگی کا مشن ہے۔ میں نے جس کام کو اپنا مقصدِ حیات بنایا ہے' اسی کو انجام دینے کے لیے اس پرچہ کو چلا رہا ہوں۔ اب تک اس کام کو جو کچھ بھی مشکلات پیش آئیں' ان کا حال بجز میرے مخصوص دوستوں کے کسی کو معلوم نہ تھا۔ کیوں کہ رسالہ کا حال گویا میرا ذاتی حال ہے' اور پبلک میں میں نے اس کا اظہار کبھی مناسب نہیں سمجھا۔

"ترجمان القرآن" کی اشاعت اس وقت چھ سو ہے۔ دوسری قوموں کے علمی ذوق اور جرائد کی اشاعت کو دیکھتے ہوئے تو یہ تعداد بہت کم ہے۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی حالت کے لحاظ سے اس کو بہت زیادہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ان کی دلچسپیوں کا دائرہ دوسرا ہے۔ اس چھ سو کی تعداد میں پورے نصف کی خریدار سرکارِ آصفیہ ہے۔ اگر ان تین سو پرچوں کو الگ کر دیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کی اس آبادی میں صرف تین سو اصحاب ایسے ہیں جو "ترجمان القرآن" کی وضع کا ایک رسالہ پڑھنے کے لیے کچھ خرچ کر سکتے ہیں۔ پھر ان تین سو میں سے بھی دس فیصدی حضرات اپنے بجٹ میں اس رسالہ کی پوری قیمت کے لیے گنجائش نہیں نکال سکتے۔ مگر چونکہ ہم خود ان تک اپنی آواز پہنچانے کے غرض مند ہیں' اس لیے ہم کو مجبوراً رعایتی قیمت پر بلکہ بسا اوقات برائے نام قیمت پر پرچہ ان کے نام جاری کرنا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ . . . اس آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ ایک اعلیٰ درجہ کے علمی رسالہ کی وہ ضروریات فراہم کر سکے جو طباعت کے مصارف سے بالا تر ہیں۔ نہ اس میں کتابیں خریدی جا سکتی ہیں جو علمی تحقیق کے لیے ناگزیر ہیں' نہ اس میں علمی رسالے خریدے جا سکتے ہیں جو نئی معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں' نہ اس میں بلند پایہ مضامین لکھنے والوں کو ان کے وقت اور ان کی محنت کا کم سے کم معاوضہ دیا جا سکتا ہے' نہ اس میں اتنی گنجائش ہے کہ کسی ایک لائق آدمی کی بھی خدمات مستقل طور پر حاصل کی جا سکیں تاکہ وہ ادارت کے کالموں میں ایڈیٹر کا ہاتھ بٹا سکے۔ ایسی حالت میں پرچے کو نہ صرف زندہ رکھنے بلکہ اس کا معیار بھی قائم رکھنے کا تمام تر بار ایک تنہا شخص پر ہے۔ وہ اس دوگونہ مشکل میں مبتلا ہو گیا ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنا تمام وقت' اپنی پوری دماغی قوت اس پرچے کی ترتیب میں صرف کر دے' اور دوسری

طرف نہ صرف اپنی ذاتی ضروریات بلکہ خود پرچے کی ضروریات کا بھی ایک معتدبہ حصہ کہیں اور سے فراہم کرے' جس کے لیے نہ اس کے پاس وقت بچتا ہے' اور نہ اس کے دل و دماغ میں اتنی طاقت باقی رہتی ہے کہ دوسرا کام کر سکے۔

اس حالت پر شکایت کا کوئی محل نہیں۔ اس لیے کہ "ترجمان القرآن" سے مسلمانوں کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے' جس میں مدد نہ دینے کی کوئی شکایت ان سے کی جا سکے۔ یہ تو میری اپنی غرض ہے کہ میں اپنی آواز ان تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ جو شخص کوئی ایک بھی دل خوش کن بات نہ سنا سکتا ہو' بلکہ جس سے قریب قریب ہر گروہ کو کچھ نہ کچھ تلخ باتیں سننی پڑتی ہوں' وہ نہ تو کسی سے مدد طلب کرنے کا حق رکھتا ہے' اور نہ اس کو ایسی کوئی امید رکھنی چاہیے۔ درحقیقت ان لوگوں کا احسان ہے جو اس رسالہ کو پڑھ لیتے ہیں' اور اس سے زیادہ احسان ان لوگوں کا ہے جو اس کو پڑھنے کے ساتھ اس کی پوری یا ادھوری قیمت بھی ادا کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد کسی مزید احسان کی درخواست نہ میں کر سکتا ہوں نہ کرنا چاہتا ہوں۔ (جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ' ص ۴۸۳ - ۴۸۴ / ستمبر ۱۹۳۶ء)

نشیب و فراز کے . . . مسلسل تجربات اور نصرتِ الٰہی کے پیہم مظاہرات نے اب دل میں اس امر کا اذعان سا پیدا کر دیا ہے کہ یہ خدمت بارگاہِ الٰہی میں کسی حد تک مقبول ضرور ہے' اور اس مقبولیت کی بنا پر اس کے ساتھ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کا سا معاملہ ہو رہا ہے۔ گو ظاہر حالات کے اعتبار سے خارج میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اب زمانہ کا وہی رنگ ہے' جسے دیکھ دیکھ کر دل ٹوٹا جاتا تھا' ہمت بیٹھی جاتی تھی' حوصلے پست ہوئے جاتے تھے۔ لیکن اب باطن کا وہ حال نہیں جو پہلے تھا۔ اب دل میں ایک اطمینان ہے' روح میں ایک سکون ہے' حوصلوں میں ایک نئی قوتِ پرواز اور عزائم میں ایک خاص طاقتِ ثبات محسوس ہوتی ہے۔ پہلے صبر اور توکل کے الفاظ ذہن میں تھے' روح میں ان کے معانی کا تحقق اب شروع ہوا ہے۔ پہلے صرف یہ اعتقاداً سمجھتے تھے کہ خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے' چار سال کی مشقِ تمرین کے بعد اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے کے معانی کیا ہیں؟ اور اس پر بھروسہ کرنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ یہی وہ نعمت ہے برسوں سے جس کی طلب تھی' اور اب کہ اس بخشش کا آغاز ہوا ہے' صمیمِ قلب کے ساتھ بخشنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہوں' اور ادائے شکر کے ساتھ یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اس نعمت کا اتمام فرمایا جائے۔ کیونکہ اب جو مرحلہ درپیش ہے ان میں سب سے بڑھ کر اسی کی

ضرورت ہے۔

میں ایک مجاہد کے سے ایمان کا طالب ہوں' ایسا دل مانگتا ہوں جو سمندر کی طوفانی موجوں کے مقابلہ میں ٹوٹی ہوئی کشتی لے جانے پر بے جھجک آمادہ ہو جائے' ایسی روح مانگتا ہوں جو شکست کھانے اور سپر رکھ دینے کا تصور بھی نہ کر سکتی ہو' ایسی عزیمت مانگتا ہوں جو مادی سہاروں سے قطعاً مستغنی ہو' اور تمام سہاروں کے چھوٹ جانے پر بھی نہ ٹوٹ سکے' ایسا ارادہ مانگتا ہوں جسے کوئی طاقت اپنے مقصد کے راستہ سے نہ ہٹا سکے۔ (محرم الحرام ۱۳۵۶' ص ۲ / اپریل ۱۹۳۷)

مسلمانوں کی اصلی کمزوری کو تاڑ لیا گیا ہے۔ . . انھیں کھینچنے کے لیے جو صدا بلند کی جا رہی ہے۔ . . وہی پیٹ اور روٹی کی ذلیل صدا ہے' جو ہمیشہ خود غرض اور شکم پرست حیوانات کو اپنی طرف کھینچتی ہی ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تہذیب کیا بلا ہے؟ . . . اصلی سوال تو پیٹ کا سوال ہے۔ اسی سوال کو حل کرنے کے لیے ہم اٹھے ہیں۔

دنیا میں انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے' اور روز بروز تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جو تغیرات صدیوں میں ہوتے تھے' اب وہ برسوں میں ہو رہے ہیں' پہلے انقلاب بیل گاڑیوں اور ٹٹوؤں پر سفر کرتا تھا۔ اب ریل اور تار اور اخبار اور ریڈیو پر حرکت کر رہا ہے۔ آج وہ حالت ہے کہ ع

یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد

(محرم الحرام ۱۳۵۶' ص ۱۴ / اپریل ۱۹۳۷)

تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد سے کامل پندرہ برس تک مسلمان جس انتشارِ فکر و عمل میں مبتلا رہے' اس کو دیکھ دیکھ کر دل خون ہوا جاتا تھا۔ مگر ہمیشہ یہی خیال لب کشائی سے روکتا رہا کہ میدان میں مجھ سے زیادہ علم اور تجربہ اور قوت اور اثر رکھنے والے موجود ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی حالات کی اصل خرابی کو محسوس کریں گے' اور ان کو رفع کرنے کے لیے متحد ہو کر وہ تدبیریں اختیار کریں گے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کو اختیار کرنی چاہئیں۔ لیکن دن پر دن گزرتے چلے گئے' اور یہ امید بر نہ آئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے قسمت کے فیصلے کا آخری وقت ہے۔ دل کی آنکھوں نے صاف دیکھ لیا کہ اب اگر اس قوم نے کوئی غلط اقدام اٹھایا تو سیدھی ہلاکت کے گڑھے کی طرف جائے گی اور اس کے ساتھ چشمِ دل ہی نہیں چشمِ سر نے بھی یہ دیکھا کہ جن کی تدبیر و تدبر پر اس قوم کے مستقبل کا انحصار ہے' وہ

بھی اب حالات کو اس فراست کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں جسے فراستِ مومن کہا گیا ہے۔ اور اسی کوتاہی کی بنا پر ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کو ان مختلف راستوں پر چلائے جا رہے ہیں جن میں سے کوئی بھی منزلِ نجات کی طرف نہیں جاتا۔ اس مرحلے پر پہنچ کر ضمیر نے آواز دی کہ یہ وقت خاموش بیٹھنے کا نہیں ہے۔ اب دین و ملت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ مسلمانوں کو، ان کے عوام اور خواص، علما و زعما، سب کو ان حقیقی خطرات کی طرف توجہ دلائی جائے جو مسلم قوم ہونے کی حیثیت سے ہمیں درپیش ہیں۔ اور اس کے ساتھ انھیں یہ بھی یاد دلایا جائے کہ تمھارے لیے ہدایت کا اصلی سرچشمہ خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سیرتِ پاک میں ہے، جس کو چھوڑ کر محض اپنی فکر اور تدبیر پر اعتماد کر لینا ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ (ذی القعدہ ۱۳۵۶ھ، ص ۳۲۱ - ۳۲۲ / جنوری ۱۹۳۸ء)

میں دراصل ایک شفاخانہ قائم کر رہا ہوں۔ دین داروں میں جو مالدار ہیں وہ اس شفاخانہ کے قائم کرنے میں حصہ لیں اور ان میں سے جو غریب ہیں وہ اس کی دوائیں مریضوں تک پہنچانے میں حصہ لیں۔ اصل سعادت یہ ہے کہ آپ کے دل میں قومی امراض کے استیصال اور شفائے ربانی کے ایصال کا جذبہ ہو۔ آپ کا دل ایک ایسی ماں کا سا دل ہونا چاہیے جو اپنے بچوں کو بیمار دیکھ کر بے چین ہو جاتی ہے، اور ان کے علاج میں کسی امکانی کوشش اور کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ آپ جن لوگوں میں رہتے ہیں، جن سے ملتے جلتے ہیں، ان میں . . . دیکھیے کہ کون کون بیمار ہیں، اور کس کس مرض کے بیمار ہیں۔ جو شخص جس مرض میں مبتلا ہو اسی مرض کی دوا اس کو دیجیے۔ زندقہ و الحاد کا مریض ہو تو اسے "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" پڑھائیے۔ وطن پرستی کا بیمار ہو تو "قومیت اسلام" دیجیے۔ کیمونزم کا حملہ کسی پر ہو گیا ہو، اس کا علاج "سود" کے مضمون سے کیجیے۔ آزادیِ نسواں کی بیماری میں "پردہ" کی خوراک استعمال کرائیے۔ فرنگیت کے بیماروں کو "اشارات" کے مختلف مجموعے دیجیے۔ جتنی وبائیں آج کل آپ کی قوم میں پھیلی ہوئی ہیں ان کو مٹانے پر کمربستہ ہو جائیے۔ آپ خدا کے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں تو خدا کا ثواب اتنا سستا نہیں کہ محض دس پانچ روپے دے کر خرید لیا جائے۔ اس کے لیے جہاد کی ضرورت ہے، اور جہاد یہی ہے کہ آج رسول اللہؐ کے گھر میں جو آگ لگ رہی ہے اس کو بجھانے کی کوشش کیجیے۔ (ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، ص ۱۶۷ / فروری ۱۹۳۷ء)

دس سال تک جو شخص ایک جگہ رہا ہو' اور من کل الوجوہ اس کو وطن بنا چکا ہو' اس کے لیے یکایک اپنا گھربار اٹھا کر ڈیڑھ ہزار میل دور لے جانا بہرحال کچھ نہ کچھ پریشانیوں کا موجب تو ہونا ہی چاہیے' چنانچہ پریشانیاں پیش آئیں اور انھی کی وجہ سے ذی الحجہ اور محرم کے پرچے شائع نہ ہو سکے۔ رسالہ کے ناظرین کو پہلے ہی سے پرچہ کے بروقت شائع نہ ہونے کی شکایت تھی۔ اب اتنے طویل التوا نے ان کو بالکل بے صبر کر دیا' اور دفتر میں شکایات کے انبار لگ گئے۔ میں درحقیقت اس بات پر بہت شرمندہ ہوں کہ خریداروں کو بار بار شکایات کا موقع ملتا ہے' لیکن اگر اس رسالہ کے ناظرین میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ وہ محض رسالے کے خریدار نہیں ہیں بلکہ میرے رفیقِ کار ہیں' تو ان کا رفیق ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی مشکلات میں شکایت سے زیادہ ہمدردی سے کام لیں گے۔ (ذی الحجہ ۱۳۵۶' ص ۴۵۶/ فروری ۱۹۳۸)

دارالاسلام پہنچ کر پہلا کام جو کیا گیا وہ یہ تھا کہ یہاں کی مسجد کو اس علاقہ کے لیے مسجدِ جامع قرار دے کر پانچ پانچ میل تک دیہات میں اعلان کرا دیا گیا کہ آئندہ سے وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے یہاں آیا کریں۔ خطیب کے فرائض میں نے خود اپنے ذمہ لیے' اور نہایت سہل زبان میں جس کو ایک ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ سکے' خطبات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ الحمد للہ کہ اس کا اثر خاطر خواہ رونما ہوا۔ پہلے جمعہ میں قریب قریب پچاس آدمی تھے اور دوسرے میں ۶۰ آئے اور تیسرے میں ۱۵۳ تک تعداد پہنچ گئی۔ اردو کے خطبہ سے لوگوں میں اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ ۵ میل کی حد سے باہر کے لوگ بھی خطبہ سننے کے لیے آجاتے ہیں۔ اس سے زیادہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ دیہات کے لوگ خطبات کو کافی دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں' سمجھتے ہیں اور نماز سے واپس جا کر ان کا مفہوم دوسرے لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی تنظیم کا پہلا قدم ہے۔

ہر مسلمان کے اندر منظم ہونے کی فطری استعداد ہر وقت قوت سے فعل میں آنے کے لیے تیار ہے۔ وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہی ایک انجمن کا ممبر بن چکا ہے۔ اب اس کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں کہ اس کی ممبرشپ کو تازہ کر دیجیے۔ اسے یاد دلا دیجیے کہ یہی وہ انجمن ہے جس کا تو ممبر ہے' اور خدا کے مقررہ پروگرام کے مطابق ہر ہفتہ اس کو اپنے مرکز کی طرف سمٹتے رہنے کی عادت ڈال دیجیے۔ جمعہ کی طاقت وہ زبردست طاقت ہے جو آٹھ کروڑ مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے ایک کانگرس بنا سکتی ہے۔ یہ ایسا ماس کانٹیکٹ (ربطِ عوام) ہے جس کا

تصور بھی کسی جواہر لال اور کسی گاندھی کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ اس کے ذریعے سے آپ جمہور مسلمین کی تمدنی اصلاح' معاشی فلاح' تعلیمِ عمومی اور سیاسی تنظیم کے سارے پروگرام بتدریج عمل میں لا سکتے ہیں' بشرطیکہ جمعہ کی طاقت کو سمجھنے والے اور اس سے حکمت کے ساتھ کام لینے والے پیدا ہو جائیں اور ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوجوان اور پرانے گروہ کے علما' جو خیالاتِ خام کے پیچھے دوڑے پھر رہے ہیں' ایک ضابطہ کے ساتھ ایک ان تھک کوشش کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ یہ کام کسان کا صبر چاہتا ہے اور اسے وہی لوگ کر سکتے ہیں جو جلسوں اور جلوسوں کی چاشنی کے بغیر خشک اور بے مزہ محنت کی تلخیاں اپنے مقصد کی دھن میں گوارہ کر سکتے ہیں۔

جو حضرات درحقیقت کچھ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو میں مشورہ دوں گا کہ اسی طرز پر اپنے حلقوں میں جمعہ کی مرکزیت قائم کرنے کی کوشش کریں اور اس اجتماع سے زیادہ سے زیادہ جتنا کام لینا ممکن ہو' لیں۔ اپنے خطباتِ جمعہ کو میں نمونہ کے طور پر "ترجمان القرآن" میں شائع کرتا رہوں گا۔ ان سے لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اختلافی مسائل سے بچ کر خطبہ جمعہ سے عامتہ المسلمین کو اصولِ دین کی تعلیم دینے اور ان کے اندر مسلمان ہونے کا احساس زندہ کرنے کا کام کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں جمعہ کی مدد سے تنظیم اور اصلاحِ عوام کا کام جس جس طریقہ سے لیا جائے گا اس کی تفصیلات بھی شائع کی جاتی رہیں گی' تاکہ جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں وہ اس طریقہ کی پیروی کر سکیں۔ اس کا یہ مدعا نہ سمجھ لیا جائے کہ لوگ بجنسہٖ انھی خطبوں کو پڑھیں یا ہو بہو ان کاموں کی نقل اتاریں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اصول اور طریقِ کار سمجھ لینا چاہیے اور اپنے اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اس کو عمل میں لانا چاہیے۔ (ذی الحجہ ۱۳۵۶' ص ۴۶۵ تا ۴۶۷ / فروری ۱۹۳۸)